قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

(متفرقات)

نماز

کی

حقیقت

فرقان الدین احمد

بسم اللہ الرحمان الرحیم

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقّاً وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَه؛ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَه؛

وَلَا تَجْعَلْهُ مُلْتَبِساً عَلَيْنَا فَنَضِلَّ؛ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَاماً

نماز کی حقیقت

ایک طویل حدیث سے اقتباس۔۔۔ حضرت معاذ بن جبل ؓ سے مروی ہے کہ "۔۔۔۔۔ آپ ﷺ نے فرمایا "کیا میں تمہیں دین کی **اصل**؛ اس کا **ستون** اور اس کی **چوٹی** نہ بتادوں ؟"۔

میں نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ کیوں نہیں"۔

آپ ﷺ نے فرمایا "دین کی اصل **اسلام** ہے اور اس کا ستون **نماز** ہے اور اس کی چوٹی **جہاد** ہے"۔۔۔۔۔

[جامع ترمذی ۔ جلد دوم ۔ ایمان کا بیان ۔ حدیث ۵۲۴]

نماز دین اسلام کا ستون ہے؛ نماز کفر اور اسلام کے درمیان فرق کرتی ہے؛ نماز فاحشہ و منکر سے روکتی ہے؛ نماز قلب کا سکون ہے؛ نماز آنکھوں کی ٹھنڈک ہے؛ نماز مشکلات میں مددگار ہے؛ نماز اللہ سبحان و تعالٰی کی حفاظت کی ضامن ہے؛ نماز فرشتوں کی دعائے مغفرت کے حصول کا ذریعہ ہے؛ نماز اللہ سبحان و تعالٰی سے ہم کلام ہونے کا ذریعہ ہے؛ نماز اللہ سبحان و تعالٰی کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہے؛ نماز تحفہ معراج ہے؛ نماز آخرت کا نور ہے؛ نماز جنت کی کنجی ہے؛ نماز مؤمن کی معراج ہے؛ اور نماز پر آخرت کی کامیابی و ناکامی کا دارومدار ہے۔۔۔۔

- ✓ ابوہریرہ ؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اگر **نماز عمدہ** نکل آئی؛ تو وہ شخص **مراد** کو پہنچ گیا اور **نماز بری** نکل آئی تو وہ شخص **خسارہ** اور **نقصان** میں پڑ گیا اور **برباد** ہو گیا"۔ **[سنن نسائی ۔ جلد اول ۔ نماز کا بیان ۔ حدیث ۴۶۸]**

نماز کے یہ محاسن؛ فضیلتیں؛ برکتیں؛ رحمتیں اور کرامات قرآن و حدیث سے ثابت شدہ ہیں اور ہم بچپن سے ان کا تذکرہ سنتے اور پڑھتے بھی رہے ہیں؛ مگر محاسبہ طلب بات ہے کہ۔۔۔۔۔

کیا واقعی میرا یہ دین کا ستون (یعنی نماز) **دین کی چوٹی** (یعنی جہاد فی سبیل اللہ) **کے حصول میں مددگار ہے؟**

کیا واقعی میری نماز نفاق کی علامات سے پاک ہے (یعنی مجھے اپنی نماز میں باطنی رغبت اور ظاہری سکون نصیب ہے) **؟**

کیا واقعی میری نماز مجھے فاحشہ و منکر سے روکتی ہے؟

کیا واقعی میری نماز میرے قلب کا سکون ہے؟

کیا واقعی میری نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے؟

کیا واقعی میری نماز دینی و دنیاوی آزمائشوں و فتنوں میں میری مددگار ثابت ہوتی ہے؟

کیا واقعی میں معراج کے اس عظیم ترین تحفہ کا صحیح معنوں میں حقدار ہوں؟

کیا واقعی میں اپنی نماز میں اللہ سبحان و تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی سے لطف اندوز ہوتا ہوں؟

کیا واقعی میں اپنی نماز میں اللہ سبحان و تعالیٰ کے سامنے موجود ہونے کا خوف رکھتا ہوں؟

کیا واقعی مجھے یقین ہے کہ میں اپنی نماز کے باعث اللہ سبحان و تعالیٰ کی حفاظت کا اہل ہوں؟

کیا واقعی مجھے یقین ہے کہ میں اپنی نماز کے باعث فرشتوں کی دعائے مغفرت کا اہل ہوں؟

کیا واقعی مجھے یقین ہے کہ میں اپنی نماز کے باعث اللہ سبحان و تعالیٰ کی رضا کا اہل ہوں؟

کیا واقعی مجھے یقین ہے کہ میری نماز میرے لیے آخرت کا نور ہے؟

کیا واقعی مجھے یقین ہے کہ میری نماز میرے لیے جنت کی کنجی ہے؟

اگر میری طرح آپ کے پاس بھی ان سوالات کا جواب نفی میں ہے؛ تو کیا ہم جیسے پانچ وقت کے نمازیوں کے لیے یہ فکر کا مقام نہیں ہے کہ "کیا ہماری یہ نماز قیامت کے روز ہمیں یقینی **خسارہ**؛ **نقصان** اور **برباد** ہونے سے بچالے گی؟"۔ کیا اس شک والی حالت کی وجہ ہماری لاعلمی تو نہیں ہے کہ جس کے باعث ہم نماز جیسی عظیم عبادت کے کامل حصول سے محروم ہیں؛ جس کے کامل حصول کا ظاہری مظہر؛ فاحشہ و منکر سے اجتناب [---إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ--- [سورة العنكبوت؛ ۴۵]---کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے---] اور باطنی مظہر؛ اللہ کے ذکر کے ذریعے [---وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي [سورة طه؛ ۱۴]---اور میری ہی یاد کے لیے نماز پڑھا کر۔] قلبی سکون کی کیفیت کا حصول ہے [--- أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ [سورة الرعد؛ ۲۸]---خبردار! اللہ کی یاد ہی سے دل تسکین پاتے ہیں]۔

اس لاعلمی اور اس کے نتیجہ میں نماز کے ظاہری و باطنی اثر سے محرومی کی سب سے بڑی وجہ دین میں نماز کو محض ایک انفرادی جز کے طور پر سمجھنے؛ ایک انفرادی جز کے طور پر ہی اس کی تبلیغ کرنے اور پھر ایک انفرادی جز کے طور پر اس پر عمل کرنے کی وجہ ہے۔ جبکہ دین اسلام میں ہر عبادت در حقیقت دین اسلام کی مکمل عمارت میں اپنی ایک خاص حیثیت اور دوسری عبادات سے ایک مخصوص ربط رکھتی ہے اور اپنی اکملیت کے لیے دین کی دوسری عبادات کی محتاج ہے۔ جیسا کہ نماز اپنی تکمیل کے لیے نفس انسانی میں کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ" کی اکملیت کی محتاج ہے [أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ

وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ [سورۃ ابراھیم؛۲۴] کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ پاک کی ایک مثال بیان کی ہے گویا وہ ایک پاک درخت ہے کہ جس کی جڑ مضبوط اور اس کی شاخ آسمان میں ہے۔]؛اور بعینہ جہاد فی سبیل اللہ؛ نماز کی اکملیت کی محتاج ہے [يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ [سورۃ النفال؛۴۵] اے ایمان والو! جب کسی فوج سے ملو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔]۔یعنی انسانی زندگی میں جتنی کلمہ توحید کی جڑ مضبوط ہوگی؛اتنا ہی نماز میں ظاہری وباطنی اثر ممکن ہوگا اور اسی نماز کے باعث جہاد فی سبیل میں کفار کے بالمقابل ظاہری وباطنی دینی ودنیاوی کامیابیاں کا انحصار ہے۔

یقین رکھیں کہ نماز چونکہ بااعتبار فرضیت ایک اجتماعی عبادت ہے تو انفرادی واجتماعی سطح پر ہم اس کی کامل رحمتیں؛برکتیں؛کرامات؛فضیلتیں اور حسنات اس وقت تک حاصل نہیں کرسکتے؛جب تک اسلام؛خلافت راشدہ کی طرح زندگی کے ہر شعبہ میں ایک مکمل نظام کے طور پر غالب نہیں آجاتا؛کیونکہ صرف اسی صورت میں کلمہ توحید کی جڑ کامل طور پر مضبوط اور اس کی شاخیں آسمان تک بلند ہوں گئیں۔اس جاہلیت کے دور میں؛("وارث الانبیاء" نہیں بلکہ) مجھ جیسا ایک عامی تو اسی بات کا مکلف ہے کہ؛وہ اپنی اس محرومی کو ذہن میں تازہ رکھتے ہوئے؛اپنی نمازوں کی ممکنہ اصلاح کی مقدور بھر کوشش کرتا رہے۔

نماز کی اپنی حقیقت چونکہ بنیاد میں کلمہ طیبہ اور چوٹی میں جہاد فی سبیل اللہ میں پنہاں ہے؛تو اسی لیے نماز کا کلمہ طیبہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے باہمی ربط اور ترتیب کو سمجھنے کے لیے لازم ہے کہ نہ صرف دین کی چند انتہائی بنیادی اور کثیر الاستعمال اصطلاحات ہم پر مکمل طور پر واضح ہوں؛بلکہ ان کا باہمی ربط اور ترتیب بھی ملحوظ خاطر رہے۔

معلومات؛؛؛؛؛

ہر باطنی وظاہری اسباب[1] کے باعث جو بھی امر یا خبر انسان کے احاطہ میں آتی ہے اور اس کے ماخذ کی صداقت عقلی طور پر اس پر واضح نہیں ہوتی؛تو وہ معلومات کہلاتی ہے۔مثلاً اس سطح پر "انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہے" اور "انسان بندر کی اولاد ہے" دونوں ایک ہی درجہ کی خبریں ہیں یا "عبادت کے لیے مسجد جاؤ" اور "عبادت کے لیے چرچ جاؤ" دونوں ایک ہی درجہ کے امر یعنی حکم ہیں۔

---

[1] باطنی اسباب میں وحی؛منطق؛چھٹی حس یا وجدان یا کشف پر مبنی معلومات وغیرہ شامل ہیں؛اور ظاہری اسباب میں حسیاتی مدرکات؛نقلیات؛عقلیات؛منقولات یا تقلید پر مبنی معلومات وغیرہ شامل ہیں۔

یعنی معلومات کے سطح پر انسانوں میں کوئی اختلاف موجود نہیں ہوتا۔

علم؛؛؛؛؛

جس معلومات کے ماخذ کی صداقت پر انسان کو عقلی طور پر اطمینان نصیب ہو جائے؛ وہ علم کہلاتا ہے۔ اس عقلی اطمینان کی بنیاد حسیاتی مدرکات؛ منطق؛ منقولات یا تقلیدی دلائل میں سے کوئی بھی ہو سکتی ہے۔ اور جو معلومات علم کا درجہ حاصل کر لیتی ہے تو اس کی خبریں انسان کے عقائد وافکار[2] کی صورت میں اس پر حجت قائم کر دیتی ہے اور امر یعنی احکام انسان کے اعمال کی صورت میں اس کی زندگی میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اس سطح پر ماخذ کے فرق کے باعث انسانیت میں تقسیم شروع ہو جاتی ہے۔ مثلاً جو گروہ انسانی "قرآن کو ماخذ" قرار دیتے ہیں تو وہ مسلمان کہلاتے ہیں؛ جو "انجیل کو ماخذ" قرار دیتے ہیں وہ عیسائی؛ جو "سائنس کو ماخذ" قرار دیتے ہیں وہ مادہ پرست وغیرہ۔ اور پھر ہر گروہ انسانی میں ماخذ کے اضافی اختلاف کے باعث مزید تقسیم وجود میں آتی ہے۔ مثلاً مسلمانوں میں "قرآن اور کل احادیث رسول ﷺ" کو ماخذ قرار دینے والے اہل سنت والجماعت؛ "قرآن اور جزوی احادیث رسول ﷺ" کو ماخذ قرار دینے والے منکر حدیث؛ صرف "قرآن" کو ماخذ قرار دینے والے اہل قرآن؛ یا "قرآن اور اثنا عشریہ آئمہ" کو ماخذ قرار دینے والے روافض۔

یعنی علم کی سطح پر اختلاف سے فرقہ وجود میں آتا ہے۔

عمل (یعنی ظاہری اسلام)؛؛؛؛؛

ایک انسان جب علم کی بنیاد پر اللہ سبحان وتعالیٰ کی وحدانیت [فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔۔۔ [سورۃ محمد؛ ۱۹] پس جان لو کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں۔۔۔]؛ اللہ سبحان وتعالیٰ کے کلام کے مقام [وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ [سورۃ الانعام؛ ۱۵۵] یہ برکت والی کتاب ہم نے اتاری ہے سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔] اور اللہ سبحان وتعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ کی حیثیت [۔۔۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۔۔۔ [سورۃ الحشر؛ ۷] ۔۔۔ اور جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو۔۔۔] کا ظاہری اقرار کرتے ہوئے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہے؛ تو اب یہی علم

---

[2] معلومات میں جن خبروں کا تعلق غیب سے ہوتا ہے؛ وہ علم کی صورت میں اس کے عقائد کا حصہ بن جاتی ہیں۔ اور معلومات میں جن خبروں کا تعلق مشاہدات سے ہوتا ہے؛ وہ علم کی صورت میں اس کے افکار کا حصہ بن جاتی ہیں۔

اس پر حجت قرار پاتا ہے اور اپنے عمل یعنی ظاہری اسلام کے ذریعے اس دنیا میں وہ اس حجت یعنی اس علم کو **اپنے لیے یا اپنے پر** ثابت کرتا ہے۔

علم کے حصول کے بعد یقین یا ایمان کی کیفیت کے حصول کی اضافی شرط دین میں عنقا ہے اور نہ ہی علم کے حصول کے بعد اعمال میں کوئی فرق مراتب؛ یعنی جس علم کے حصول سے ایک مسلمان پر نماز فرض ہوتی ہے؛ اسی علم کی بنیاد پر روزہ؛ زکوۃ؛ حج یا جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ بھی فرض ہوتا ہے۔ نہ ہی یقین یا ایمان کی عدم موجودگی نامی شرعی عذر نماز کے لیے موجود ہے اور نہ ہی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے؛ جیسا کہ قرآن حکیم بیان فرماتا ہے؛

- ✓ قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ **[سورة الحجرات؛ ۱۴]** بدویوں نے کہا ہم **ایمان لے آئے** ہیں، کہہ دو تم **ایمان نہیں لائے** لیکن تم کہو کہ ہم **مسلمان ہو گئے** ہیں اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، اور اگر تم **اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو** تو تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا، بے شک اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

مزید رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث کے مطابق کہ "جب تمہاری اولاد سات سال کی ہو جائے تو تم ان کو **نماز پڑھنے کا حکم** دو، اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں اس پر (یعنی نماز نہ پڑھنے پر) **مارو**، اور ان کے سونے کے بستر الگ کر دو" سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے علم کو سکھانے کا تعلق بچہ کے عاقل ہونے سے ہے اور دس سال کی عمر میں اگر وہ اپنے علم پر عامل نہ ہو تو اس کو سزا دی جائے؛ نہ کہ دس سال کے بچے میں یقین و ایمان پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

اپنے علم کے ماخذ کو اختیار کرنے میں ہر انسان کو آزادی ہے [لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۔۔۔ **[سورة البقرة؛ ۲۵۶]** دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے ۔۔۔] مگر دین اسلام کے ظاہری اقرار کے بعد؛ یقین و ایمان کے حصول کی مبہم کوشش کے نام پر؛ اس کے علم پر عمل سے اعراض؛ نہ صرف اللہ سبحان و تعالیٰ؛ قرآن حکیم اور رسول اللہ ﷺ کی شان کو گھٹانے کے مترادف ہے؛ بلکہ معاشرہ میں اس علم کو ہلکا اور معمولی سمجھنے کی وجہ سے ایک اسلامی معاشرہ تباہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی رویہ کے سدباب کے لیے اسلام کا مزاج اپنے ماننے والوں سے عاجزانہ؛ مودبانہ یا درخواست گزارانہ نہیں؛ بلکہ انتہائی جارحانہ ہے؛ مثلاً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتوی کے مطابق تارک نماز کو تادم توبہ اسیر رکھا جائے؛ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوی کے مطابق تارک نماز کو

تعزیراً قتل کر دیا جائے اور امام احمد بن حنبل ؒ کے فتوی کے مطابق تارک نماز پر ارتداد کی حد کا اطلاق کرتے ہوئے قتل کر دیا جائے۔ اور اگر طاقت نہ ہو تو کم از کم رسول اللہ ﷺ کے حدیث کے مطابق سوشل بائیکاٹ کیا جائے؛"رسول ﷺ نے فاسق لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔" [مشکوۃ شریف۔ جلد سوم۔ ولیمہ کا بیان۔ حدیث ۴۲۷]۔ اور تارک نماز سے بڑا کون فاسق ہو سکتا ہے؟

یعنی اسلام کی سطح پر اختلاف سے فسق و فجور وجود میں آتا ہے۔

یقین؛؛؛؛؛

یقین کی کیفیت عقل اور قلب کی موافقت کا نام ہے؛ یعنی جتنی معلومات پر علم کے طور پر اس کی عقل کو اطمینان حاصل ہے اتنی ہی معلومات پر اس کو قلبی اطمینان بھی نصیب ہو جائے؛ اور اس یقین کے باعث انسان اپنے علم کو شک سے پاک کر لیتا ہے۔ اور جس طرح علم کا عمل کے ساتھ اللہ کی ظاہری اطاعت کی صورت میں ایک ظاہری تعلق ہے؛ تو یقین کا اللہ کی اس ظاہری اطاعت پر اطمینان کی صورت میں؛ اس عمل کے ساتھ ایک باطنی تعلق۔ مگر اگر کوئی انسان اپنے علم کے باوجود تارک عمل ہے؛ تو یقین بھی اس کی اس ظاہری کیفیت کو تبدیل کرنے سے قاصر ہے۔ جیسے فرعون کو علم اور یقین کی کیفیت نصیب ہونے کے باوجود ظلم و سرکشی کے باعث عمل کی توفیق نصیب نہیں ہوئی [وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ [سورۃ النمل؛ ۱۴] اور انہوں نے ان کا ظلم اور تکبر سے انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے، پھر دیکھ مفسدوں کا انجام کیسا ہوا۔]۔

بعینہ ہر ذوی عقل شخص (مسلمان ہو یا کافر) کو موت کا کامل یقین ہونے کے باوجود؛ اس کی نفسانی خواہشات اس یقین کی کیفیت کے متقاضی اعمال کو اپنانے میں مانع ہوتی ہیں۔ مگر جس طرح علم اس دنیا میں اپنے حامل پر حجت قائم کرتا ہے تو اسی طرح یقین آخرت میں اپنے حامل پر حجت قائم کر دیتا ہے۔

یقین کی کیفیت اور ظاہری اعمال کے ساتھ اس کے تعلق کو ایک سادہ مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے؛ کہ ایک شخص جس کے تین بیٹے ہوں اور وہ ان سے اپنی خدمت کا خواہاں ہو؛ تو۔۔۔۔

پہلا بیٹا کہے کہ مجھے علم ہے کہ آپ میرے والد ہیں؛ اور اس علم کے باعث میں آپ کی خدمت بجالاؤں گا۔
دوسرا بیٹا کہے مجھے علم ہے کہ آپ میرے والد ہیں؛ مگر اس علم کے باوجود میں آپ کی خدمت کرنے سے انکاری ہوں۔

تیسرا بیٹا کہے مجھے علم تو ہے کہ آپ میرے والد ہیں مگر یقین نہیں ہے؛ اس لیے اس یقین کی کیفیت کے

حصول تک میں آپ کی خدمت کرنے سے قاصر ہوں۔

توجہ طلب بات یہ ہے کہ نافرمان بیٹے کو مرنے سے پہلے اپنے علم کے باعث توبہ کی توفیق نصیب ہو سکتی ہے؛ مگر جو بیٹا اپنے باپ کے متعلق ہی شک میں مبتلا ہو اور اس کا نافرمان بھی ہو؛ اس کو کیونکر توبہ کی توفیق نصیب ہو سکتی ہے۔

یاد رہے کہ علم کی طرح یقین کی کیفیت بھی کوئی حتمی کیفیت نہیں ہے کہ ایک بار کے حصول کے بعد اس میں تغیر ممکن نہ ہو؛ بلکہ اگر عقل کسی ایسی نئی معلومات کا احاطہ کرلے جس کے دلائل پہلے سے موجود علم کے دلائل سے زیادہ قوی ہوں تو گزشتہ علم اور اس پر یقین کی کیفیت زائل ہو جاتی ہے۔ بر خلاف ایمان؛ یقین کم یا زیادہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا؛ انسان یا تو دلائل کے باعث یقین کی کیفیت میں ہوتا ہے یا وہ شک میں مبتلا ہوتا ہے [وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَابَّةٍ آيَاتٌ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ [سورۃ الجاثیہ؛ ۴] اور (نیز) تمہارے پیدا کرنے میں اور جانوروں کے پھیلانے میں یقین والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔]۔ اور اگر انسان بند ذہنیت اور جامد فطرت کا حامل نہیں ہے تو یہی یقین و شک کی کیفیات اس حق کی تلاش کی جستجو میں مددگار رکھتی ہیں جس کے ماخذ کو کوئی شک آلودہ نہیں کر سکتا۔

یعنی یقین کی سطح پر اختلاف سے عملی نفاق وجود میں آتا ہے۔

"لا الہ الا للہ" کے حاصل؛؛؛؛؛

" لا الہ الا للہ " دین اسلام کی واحد بنیاد[3]؛
اور اس کا لفظی ترجمہ ہے کہ "کوئی معبود نہیں ہے؛ مگر اللہ سبحان و تعالٰی کے "۔

اور اس کلمہ "لا الہ الا للہ" کے دو حاصل ہیں۔۔۔۔

اول حاصل اس کلمہ کا ظاہر ہے؛ کہ اللہ سبحان و تعالٰی کے سوا جن و انس نے آج تک جس چیز کو بھی "الہ" قرار دیا ہے وہ محض ان کے تخیل کا نتیجہ ہے؛ ان کی جاہلانہ سوچ کی پیداوار؛ ایک گھڑی ہوئی جھوٹی بات؛

[3] اس کلمہ کے دوسرے حصہ " محمد رسول اللہ" کی حیثیت اس واحد بنیاد کو حاصل کرنے کے واحد طریقہ کا نام ہے۔ اس مکمل کلمہ کی مثال ایک درخت کی سی ہے جس میں "لا الہ الا للہ" کی حیثیت جڑ کی ہے جو غیب میں ہے اور "محمد رسول اللہ" کی حیثیت اس درخت کے تنے کی ہے جو ظاہر میں ہے۔ باقی تمام دین کی حیثیت اسی تنے سے نکلنے والی شاخوں کی سی ہے۔

جس کی ظاہر میں ہونے کی نہ ہی کوئی منطقی دلیل ہے اور نہ ہی کوئی ظواہر۔ اور حقیقت میں کل کائنات میں صرف اللہ سبحان و تعالٰی کے معبود برحق اور واحد الٰہ ہونے کے نہ صرف نا قابل تردید منطقی دلائل موجود ہیں بلکہ ہمارے اندر اور باہر ان گنت ظاہری شواہد بھی موجود ہیں [سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ [سورۃ فصلت؛ ۵۳] عنقریب ہم اپنی نشانیاں انہیں کائنات میں دکھائیں گے اور خود ان کے نفس میں یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ وہی حق ہے، کیا ان کے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔]۔

دوسرا حاصل اس کلمہ کا باطن ہے؛ کہ معبود برحق ہو یا باطل؛ یقین کی کیفیت حاصل کر لینے کے بعد؛ ایک عابد کی اپنے معبود کے ساتھ رشتے کی نوعیت صرف خوف اور محبت پر مبنی ہوتی ہے۔ معبود کی ناراضگی کا خوف اور اس کی محبت حاصل کرنے کی خواہش؛ بندہ کی ایمانی کیفیت کہلاتی ہے۔ ایک بندہ جس ہستی سے خوف و محبت کا رشتہ رکھتا ہے وہی اس کا معبود کہلاتا ہے؛ مثلاً مشرکین مکہ نے کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے؛ اور وہ سب کے حق ہونے پر یقین رکھتے تھے؛ مگر اس کے باوجود ہر قبیلہ صرف اس بت کی عبادت کرتا تھا جس کے خوف یا محبت میں وہ مبتلا تھا۔

اس کلمہ کے دوسرے حاصل کا تقاضا صرف یہی ہے کہ بندہ کے قلب میں معبود کی حیثیت سے صرف اللہ سبحان و تعالٰی کی ناراضگی کا خوف اور اس کی محبت حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو جائے۔ اللہ سبحان و تعالٰی کی ناراضگی کا خوف توحید مطلوب اور اس کی محبت کی خواہش توحید مقصود[4] کے حصول کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اور اس کلمہ کے ذکر سے مطلوب بھی اس دوسرے حاصل کا حصول ہے۔

ایمان؛؛؛؛؛

دین اسلام میں اصل مطلوب ایمان کی کیفیت ہے اور ایمان اس کیفیت کا نام ہے جو انسان کو اس کے حاصل کردہ علم اور اس پر قلبی یقین کے بعد؛ اس قلبی یقین میں اختیاری خوف یا اختیاری محبت کے جذبات کو شامل کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ ہر انسان کے اعمال کا محرک انہیں دو جذبات میں سے کوئی ایک ہوتا ہے؛ یعنی یا تو وہ کسی خوف کو دور کرنے کے لیے یا کسی پسندیدہ چیز کے حصول کے کوئی عمل کرتا ہے۔ اور دین اسلام میں بھی کامیابی کا واحد معیار یقین کی بنیاد پر نہیں؛ بلکہ علم اور اللہ سبحان و تعالٰی کے خوف پر مبنی اعمال

---

[4] توحید مطلوب اور توحید مقصود کی تفصیل کے لیے کتاب "قوا انفسکم و اھلیکم نارا" میں مضمون "توحید کی حقیقت" کا مطالعہ فرمائیں۔

کو قرار دیا گیا ہے؛

- ✓ إِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ [سورۃ یس؛ ۱۱] بے شک آپ اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے اور بن دیکھے رحمان سے ڈرے، پس خوشخبری دے دو اس کو مغفرت کی اور عزت والے اجر کی۔

اور ایمان کی افضل ترین سطح ان افراد کے لیے مختص ہے جو اللہ سبحان و تعالیٰ کی محبت کے باعث اس کی عبادت کرتے ہیں؛

- ✓ ۔۔۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۔۔۔ [سورۃ البقرۃ؛ ۱۶۵] ۔۔۔ اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے ۔۔۔

محبت کی نسبت خوف کو پیدا کرنا آسان بھی ہے اور برقرار رکھنا بھی؛ کیونکہ بالعموم انسانی فطرت میں خوف محبت پر حاوی ہوتا اور اکثریت کے لیے خوف ہی عمل کے لیے سب سے بڑا محرک ہوتا ہے۔ اور محبت سلیم الفطرت افراد کا خاصہ ہے کیونکہ اس کے لیے انسان کے اندر شکر گزاری کے اضافی جذبہ کی بھی ضرورت ہے؛ جب کہ قرآن کے فتویٰ کے مطابق بالعموم انسان ناشکرا ہے [إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ [سورۃ العادیات؛ ٦] بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔]۔ اور تمام سابق انبیاء اکرام علیہم السلام "منذرین" اور "مبشّرین" کے طور پر اسی اختیاری خوف اور محبت کو پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے۔ [رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا [سورۃ النساء؛ ۱۶۵] (ہم نے بھیجے) پیغمبر خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ ان لوگوں کا اللہ پر پیغمبروں کے بعد الزام نہ رہے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔]؛ رسول اللہ ﷺ بھی اسی مقصد کے لیے بھیجے گئے [يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا [سورۃ الاحزاب؛ ۴۵] اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو بلاشبہ گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔]؛ قرآن حکیم بھی اپنے نزول کا مقصد نہ صرف اسی خوف [وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا ۔۔۔ [سورۃ الانعام؛ ۹۲] اور یہ کتاب جسے ہم نے اتارا ہے برکت والی ہے ان (کتابوں) کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں اور تاکہ تو ڈرائے مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں کو ۔۔۔] اور محبت [إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا [سورۃ الاسراء؛ ۹] بے شک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے ہیں اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا ثواب ہے۔] کو پیدا کرنا ٹھہراتا ہے؛ بلکہ اس خوف و محبت کی بنیاد پر پیدا شدہ ایمان میں اضافہ کا واحد ذریعہ بھی اپنے آپ کو ٹھہراتا ہے۔

- ✓ وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ [سورة التوبة؛ ۱۲۴] اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو بڑھایا ہے، سو جو لوگ ایمان والے ہیں اس سورت نے ان کے ایمان کو بڑھایا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں۔

اور اگر ہمارے اس خوف و محبت پر مبنی ایمان میں خواہشات نفسانی کے باعث کمی واقع ہو رہی ہو؛ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "کپڑے کی بوسیدگی کی طرح ایمان بھی تمہارے دل کے اندر بوسیدہ ہو جاتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان کی تجدید کرتا رہے۔" [المستدرك على الصحيحين ۔ حديث ۵] تو اس ایمان کی تجدید بھی رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق کلمہ توحید کے ذکر سے عین ممکن ہے؛ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو"۔ کسی نے پوچھا "یا رسول اللہ! ہم اپنے ایمان کی تجدید کیسے کر سکتے ہیں؟"۔ فرمایا 'لا الہ الا اللہ' کی کثرت کیا کرو"۔ [مسند احمد ۔ جلد چہارم ۔ حديث ۱۵۳۲]"۔ یعنی استحضار قلب کے ساتھ کلمہ توحید کے ذکر سے انسان کا اپنے معبود کے ساتھ خوف و محبت پر مبنی تعلق تازہ رہتا ہے۔

یقین کے برعکس؛ جو علم ایمان کی سطح تک پہنچ جاتا ہے؛ وہ اپنے اساسی یقین کے زائل ہونے کے بعد بھی فوراً زائل نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کے ہم پلہ یا اس سے برتر یقین پر ایمان لانے سے تبدیل ہوتا ہے۔ مثلاً بدعتی حضرات اپنی جن بدعتوں کے خوف اور محبت میں مبتلا ہو چکے ہوتے ہیں؛ ان بدعتوں کی علمی گمراہی اور ان کے یقین کا بودا پن ظاہر ہونے کے باوجود ان پر ایمان میں موجود خوف اور محبت؛ ان بدعات کو عملی ترک کرنے سے مانع ہوتا ہے؛ جب تک وہ اس کے مقابل کسی سنت کے خوف یا محبت میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اس سنت کو عملی طور پر نہ اپنا لیں۔

یعنی ایمان کی سطح پر اختلاف سے کفر وجود میں آتا ہے۔

تزکیہ نفس:::::

اللہ سبحان و تعالیٰ کے خوف اور اس کی محبت کو باقی تمام خوف اور محبتوں پر حاوی کرنے کا نام تزکیہ نفس ہے؛ اور تمام انبیاء اکرام علیہ السلام کا فرائض منصبی تھا کہ وہ اپنے اصحاب کا "ابشار" و "انذار" کے ذریعے تزکیہ نفس فرمائیں؛ یہی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کو بھی تفویض کی گئی [لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ [سورة آل عمران؛ ۱۶۴] اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو ان میں انہیں میں سے رسول بھیجا (وہ) ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانش سکھاتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔]۔ اور انبیاء علیہ السلام کا

تزکیہ نفس زبانی کلامی نہیں تھا بلکہ عملی طور پر وہ صرف اللہ کے خوف اور اس کی محبت میں مبتلا تھے؛ اور یہی عملی تزکیہ نفس ہی ان کی اصل تبلیغ تھی [الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا [سورۃ الاحزاب؛ ۳۹] جو لوگ اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے اور اللہ سے ڈرتے رہے اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتے، اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے۔]۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ ذمہ داری اس امت کے علماء کو "وارث الانبیاء" کی نسبت سے تفویض ہوئی۔ اور آج یہ اس امت کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت کا تزکیہ نفس فرمائیں؛ مگر امت کے اس زوال کے دور میں امت سابقہ کے مثل ہمارے معاشروں میں باطل کی کھلی اشاعت اور ترویج اس بات کی گواہی ہے کہ ہمارے علماء میں تمام خوف موجود ہیں؛ مگر اللہ سبحان و تعالیٰ کے خوف کے [لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ [سورۃ المائدہ؛ ۶۳] ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے اور حرام مال کھانے سے انہیں کیوں نہیں منع کرتے، البتہ بری ہے وہ چیز جو وہ کرتے ہیں۔]۔ ہمارے علماء کا غالب گمان ہے کہ وہ اپنے منبر و محراب سے قرآن و حدیث کی صورت میں جو سچ بیان فرما رہے ہیں؛ وہ حق ہے؛ مگر یہ بات مسلمہ ہے کہ اگر ہمارے منبر و محراب سے حق بیان ہو رہا ہوتا اور معاشروں میں علمائے حق[5] کی اکثریت ہوتی تو باطل کو قرار نصیب نہ ہوتا [وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا [سورۃ آل الاسراء؛ ۸۱] اور کہہ دو کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے ہی والا تھا۔] اور جب تک معاشرہ سے باطل نابود نہ ہوتا؛ تب تک باطل کے ہاتھوں؛ اہل حق کے صبر کی آزمائش بھی عملاً جاری رہتی [إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ [سورۃ آل العصر؛ ۳] مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی آپس میں وصیت کرتے رہے۔]۔ حقیقی افسوس تو یہ ہے کہ اسی منبر و محراب سے معاشرہ میں باطل اپنے جواز کی سند بھی وصول کرتا ہے۔

اس فتنہ کے دور میں اور علمائے حق کی انتہائی قلت کے باعث؛ اب ہر مسلمان کو انفرادی سطح پر اپنے تزکیہ نفس کی ممکنہ حد تک کوشش کرنی پڑے گی؛ کیونکہ دنیاوی و اخروی فلاح کا تعلق اسی تزکیہ نفس سے ہے [قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ [سورۃ الاعلیٰ؛ ۱۴] بے شک وہ کامیاب ہوا جو پاک ہو گیا۔]۔ اور تزکیہ نفس کے حصول کے کے لیے ذاتی سطح پر تین ذرائع موجود ہیں؛ اللہ کے کلام پاک کی تدبر کے ساتھ تلاوت؛ اللہ کا استحضار قلب کے ساتھ ذکر؛ اور تیسرا موثر ترین ذریعہ خشوع و خضوع والی نماز؛ جس میں اللہ کے کلام پر تدبر کے ساتھ تلاوت بھی موجود ہے اور استحضار قلب کے ساتھ ذکر بھی۔ مگر یہ تینوں ذرائع صرف تزکیہ نفس کے حصول کے ہیں؛

---

[5] علمائے حق کی تفصیل کے لیے کتاب "قوا انفسکم و اھلیکم نارا" میں مضمون "علمائے حق کی حقیقت" کا مطالعہ فرمائیں۔

اس میں اضافہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ جو بھی دین کا فرض[6]؛ علم کی صورت میں ہم پر واضح ہو جائے اور اس کی ادائیگی کا موقع بھی نصیب ہو جائے؛ تو اس پر عمل میں کوتاہی نہ کی جائے اور نہ ہی تاخیر؛ ورنہ علم کی موجودگی میں عمل میں کوتاہی عملی نفاق ہے جو تزکیہ نفس یعنی اللہ کے خوف اور اس سے محبت کی ضد ہے۔

- ✓ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ [سورۃ آل عمران؛ ۱۱۴] اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور اچھی بات کا حکم کرتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور **نیک کاموں میں دوڑتے** ہیں اور وہی لوگ نیک بخت ہیں۔

یقینی امر ہے کہ اس عام جہالت کے دور میں؛ کسی مربی و مزکی کے بغیر؛ تزکیہ نفس کا مسلسل حصول اتنا آسان نہیں ہے؛ مگر اگر انسان خلوص نیت اور 'توبۃ النصوحہ' کے ساتھ اپنی استطاعت بھر کوشش کرتا رہے؛ تو چاہے منزل حقیقی تک نہ بھی پہنچ سکا؛ مگر امید ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ اسے ضائع نہیں فرمائے گا۔

- ✓ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ [سورۃ الاعراف؛ ۴۲] اور جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں **ہم کسی پر بوجھ نہیں رکھتے مگر اس کی طاقت کے موافق**، وہی بہشتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

تزکیہ نفس کا کم از کم قابل قبول درجہ غیر اللہ کے خوف اور محبتوں کو اللہ کے خوف اور محبت کے تابع کرنا ہے تا کہ اللہ کی عبادت (یعنی فرائض کی ادائیگی اور حرام سے اجتناب) سہل ہو جائے؛ اور یہ تقویٰ کہلاتا ہے۔ اور اس کے اعلیٰ ترین درجہ میں غیر اللہ کا خوف اور محبت یکسر معدوم ہو جاتی ہے اور محض اللہ کا خوف اور محبت ہی زندگی کے تمام اعمال کا واحد محرک رہ جاتے ہیں؛ اور یہ خشیت کہلاتی ہے۔

عبادات! کس کے لیے؟ اور کس لیے؟؛؛؛؛؛

عبادات کا کل محور و مرکز تو محض اللہ سبحان و تعالیٰ کی ذات اقدس ہے [وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ [سورۃ یس؛ ۶۱] اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا، یہ سیدھا راستہ ہے۔ ؛ مگر ان عبادات سے مستفید ہونے والی ذات عبادت گزار کی اپنی ہے۔ اس عبادت کا اخروی اجر؛ اس عبادت کی برکتوں و رحمتوں کی صورت میں اس کے

---

[6] دین کے فرض سے مراد محض نماز؛ روزہ؛ زکوۃ؛ حج اور جہاد نہیں ہے بلکہ اس مراد وہ تمام فرائض ہیں جو انسان کے حالات؛ معاشرہ میں اس کے کردار؛ اس کے اختیارات وغیرہ کی وجہ سے اس پر لاگو ہوتے ہیں۔

ظاہر و باطن پر دنیاوی اثر؛ اور دل کو اس عبادت کی لذت نصیب ہونا؛ تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کا فضل اور عبادت گزار پر اس کا انعام ہے۔ اگر ان عبادات سے حاصل ہونے والے ذاتی فوائد کا تصور اور اپنی زندگی میں ان ذاتی فوائد کی اہمیت و ضرورت؛ ہمارے دل و دماغ میں راسخ ہو جائے؛ تو۔۔۔

- کیسے ممکن ہے کہ ہم ان عبادات کو اپنے اوپر بوجھ تصور کریں۔
- کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنی نمازوں میں بے سکونی کے مرتکب ہوں؛ باجماعت نماز کے خاتمہ اور تراویح[7] کے مختصر ہونے پر سکون میں ہو۔
- کیسے ممکن ہے کہ ہمیں رمضان کے خاتمہ پر خوشی ہو۔
- کیسے ممکن ہے کہ زکوۃ پر ہمارے دل میں تنگی ہو۔
- کیسے ممکن ہے کہ حج ہماری زندگی کے تمام امور میں آخری امر کا درجہ رکھتا ہو۔
- کیسے ممکن ہے کہ ہم ان عبادات میں نفل کے اضافہ کے ذریعے؛ اپنے فوائد کو بڑھانے کی کوشش نہ کریں۔[۔۔۔إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ [سورة الانبياء ؛ ۹۰]۔۔۔بے شک یہ لوگ نیک کاموں میں دوڑ پڑتے تھے اور ہمیں امید اور ڈر سے پکارا کرتے تھے، اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔]

نماز دین کا ستون کیوں؟

یقین کے برعکس؛ ایمان خوف و محبت کے محرکات کے باعث؛ اپنے ظاہر میں ایک کامل وجود رکھتا ہے۔ تو جس مسلمان کو؛ نماز کی فرضیت کا علم و یقین رکھنے کے باوجود؛ پانچ وقت نماز کی توفیق نصیب نہیں ہو رہی؛ وہ درحقیقت کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ" میں پنہاں ایمان کے محرکات سے محروم ہے اور اس کا ایمان کوئی ظاہری وجود نہیں رکھتا؛ اسی لیے حدیث رسول ﷺ میں نماز کو کفر اسلام کے مابین نشانی قرار دیا گیا ہے؛ "ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے لہذا جو شخص نماز چھوڑ دیتا ہے وہ کفر کرتا ہے۔[مسند احمد۔ جلد نہم۔ حدیث ۳۰۰۳]"۔ اب چاہے یہ شخص یقین کی کیفیت پر ہو؛ مگر ظاہر میں کلمہ توحید سے محروم ایک کافر کی مانند ہونے کے باعث؛ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذمہ داری سے باہر ہے؛ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جان بوجھ کر نماز کو ترک مت کیا کرو؛ اس لئے کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز کو ترک کرتا ہے؛ اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔۔[مسند احمد۔ جلد نہم۔ حدیث ۷۲۱۲]؛ اب اللہ چاہے تو اس کی سہل

---

[7] تراویح کی تفصیل کے لیے انفرادی مضمون "تراویح کی حقیقت" کا مطالعہ فرمائیں۔

پسندی اور کسالت سے صرف نظر کرتے ہوئے اسے معاف کردے یا اس کے جمود اور سرکشی کی وجہ سے اس کو فرعون؛ ہامان اور قارون کے ساتھ عذاب دے۔

بعینہ جس شخص کو پانچ وقت نماز کی توفیق تو نصیب ہے؛ مگر سال ہا سال سے وہ اپنی نماز میں ظاہری و باطنی طور پر یکسانیت کا شکار ہے؛ تو ایسے شخص کا ایمان جمود کا شکار ہو چکا ہے اور اس کی نماز اب نیکی نہیں بلکہ عادت کی شکل اختیار کر چکی ہے؛ کیونکہ نیکی کبھی جمود کا شکار نہیں ہوتی۔ ایسے شخص کو "لا الہ الا للہ" کے ذکر کے ساتھ اپنے ایمان کی تجدید اور قرآن حکیم کی تلاوت کے ذریعہ اس میں اضافہ کی فکر کرنی چاہیے۔ اور انہی ایمانی حالتوں میں مبتلا افراد کو قرآن متنبہ کر رہا ہے؛

- ✓ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ **[سورۃ الانعام؛ ۱۵۸]** یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تیرا رب آئے یا تیرے رب کی کوئی نشانی آئے، جس دن تیرے رب کی کوئی نشانی آئے گی تو کسی ایسے شخص کا **ایمان کام نہ آئے** گا جو پہلے **ایمان نہ لایا** ہو یا اس نے **ایمان لانے کے بعد کوئی نیک کام نہ کیا** ہو، کہہ دو کہ انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں۔

مؤمن کی نماز تو در حقیقت بیک وقت تزکیہ نفس کے حصول اور اس کے جانچنے کا پیمانہ ہے۔ یعنی

[وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ **[سورۃ الرحمٰن؛ ۴۶]** اور اس کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے دو باغ ہوں گے۔]

رب العالمین کے سامنے قیام کا خوف

اپنی محتاجی کے اظہار کے ساتھ نماز کا آغاز؛ دعائے استفتاح

اپنے رب کی پاکی؛ کبریائی اور بزرگی کا اعتراف؛ ثنا

اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان اور طلب ہدایت و نجات؛ سورۃ الفاتحہ [8]

اللہ تعالیٰ کی آیات پر تدبر؛ تلاوت قرآن

اپنی عاجزی کے احساس کے ساتھ اللہ سبحان و تعالیٰ کی تسبیح؛ رکوع

اللہ سبحان و تعالیٰ کی قربت کے احساس کے ساتھ اس کی تسبیح؛ سجدہ

---

[8] سورۃ الفاتحہ کی تفصیل کے لیے انفرادی مضمون "المحاسبۃ بالقرآن (سورۃ الفاتحہ)" کا مطالعہ فرمائیں۔

اپنے ایمان کی تجدید اور اپنے محسن اعظم ﷺ کے احسانات کے احساس کے ساتھ ان پر درود وسلام؛ تشہد
اللہ کے ساتھ حاجات ومناجات کے ساتھ نماز کا اختتام؛ تشہد

غرض کہ ایک مؤمن کی کل نماز اس کے ظاہری خضوع اور باطنی خشوع کی صورت میں اللہ کے خوف اور اس سے محبت کا مظہر ہوتی ہے۔ اور نماز کو مؤمن کی معراج اسی لیے کہا گیا ہے کہ یہ واحد عبادت ہے جس میں اللہ سبحان وتعالٰی کے دربار سے براہ راست فیض اٹھانے کی صلاحیت موجود ہے اور دیگر تمام عبادات کا حسن بھی اسی ایک عبادت پر منحصر ہے۔ یعنی جس کو جتنا اللہ کا خوف اور اس کی محبت نصیب ہو گی؛ اتنا ہی نماز کے ذریعہ اللہ سبحان وتعالٰی کے ساتھ اس کا تعلق مضبوط ہو گا؛ اور ہر نماز اس کے تزکیہ نفس میں اضافہ فرماتے ہوئے اس تعلق کو مزید مضبوط کرے گی؛ جس کے باعث اتنا ہی اس کی ذات پر نماز کا اثر نمایاں ہو گا (یعنی فاحشہ اور منکر سے پاک) اور نماز کے اسی اثر کی مناسبت سے؛ دیگر عبادات اپنے اجر؛ اثر اور لذت میں اللہ سبحان وتعالٰی سے اتنا ہی زیادہ مستفید ہو سکیں گئیں؛ اور اسی لیے نماز کو دین کا ستون بھی قرار دیا گیا ہے۔

تزکیہ نفس کے لیے نماز جیسے مؤثر ترین ذریعہ سے مستفید ہونے کے لیے چار باتیں لازم ہیں؛

- جماعت کی نماز ہو یا نفل نماز؛ ظاہری طور پر سنت کے قریب ترین ہو۔
- کم از کم قرآن حکیم کی مفصل سورتیں (سورۃ الحجرات سے سورۃ الناس تک) حفظ ہوں؛ کیونکہ ان سورتوں کے مضامین کا خصوصی تعلق "ابشار" و "انذار" سے ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرض منصبی (وَيُزَكِّيهِمْ) سے مناسبت کے باعث فرض نمازوں میں انہی سورتوں کی تلاوت سنت ہے۔
- عربی زبان سے اتنی آگاہی لازمی ہے کہ بغیر ترجمہ کے قرآن وحکیم اور تسبیحات سے براہ راست مستفید ہو سکے۔
- نماز میں یا نماز کے باہر؛ قرآن حکیم کی تلاوت ہو؛ تسبیحات ہوں یا ذکر؛ ہر صورت میں ترتیل کو اختیار کرے؛ کیونکہ سنت رسول ﷺ صرف یہی ہے اور یہی صورت قلب کے لیے مؤثر ترین ہے۔

سنت والی نماز؛؛؛؛؛

اعمال کا اجر؛ اثر اور لذت صرف اس بات میں پنہاں ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی طور پر اپنے میزان یعنی رسول اللہ ﷺ کے اعمال سے کیا نسبت رکھتے ہیں۔ جو عمل جتنی زیادہ نسبت رکھے گا؛ اتنا ہی اس میں اخروی اجر؛ دنیاوی اثر اور قلبی لذت موجود ہو گی۔ اعمال کے باطن کا سارا دارومدار اعمال کے ظاہر پر ہے؛ اگر عمل کا ظاہر رسول اللہ ﷺ کی سنت کے قریب ہے تو امید کی جاسکتی ہے کہ عامل کو اللہ کی رحمت سے رسول اللہ ﷺ

کے باطن سے رائی برابر نسبت نصیب ہو جائے گی۔

اس مضمون میں ہم صرف جماعت کی نماز[9] میں سنت اعمال سے دوری کا جائزہ لیں گے ؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے امت پر آسانی فرماتے ہوئے اسے ہلکا رکھنے کا حکم دیا ہے۔

- ✓ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا "میں فلاں فلاں آدمی کی وجہ سے جو ہمیں بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے نماز سے رہ جاتا ہوں"۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس دن سے زیادہ غصہ میں کبھی نہیں دیکھا آپ ﷺ نے فرمایا "اے لوگو تم میں سے بعض متنفر کرنے والے ہیں تم میں سے **جو لوگوں کی امامت کرے تو وہ تخفیف کرے** کیونکہ اس کی اقتداء میں بوڑھے کمزور اور حاجت مند لوگ ہوتے ہیں"۔ **[صحیح مسلم۔ جلد اول۔ نماز کا بیان۔ حدیث ۱۰۳۹]**

اور جماعت کی سنت والی ہلکی نماز کی روشنی میں ہم اپنی نفل نمازوں کا اندازہ خود لگا سکیں گے کہ آخر کیوں ہمیں نماز کے ذریعہ تزکیہ نفس نصیب نہیں ہو رہا ہے۔

فرض نماز کی جماعت کے ترک پر وعید موجود ہے ؛؛؛؛

- ✓ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے **"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ؛ میں نے قصد کیا کہ حکم کروں لکڑیاں توڑ کر جلانے کا ؛ پھر حکم کروں میں نماز اور اذان ہو ؛ پھر حکم کروں ایک شخص کو امامت کا اور وہ امامت کرے ؛ پھر جاؤں میں پیچھے سے ان لوگوں کے پاس **جو نہیں آئے جماعت میں اور جلادوں ان کے گھروں کو** ؛ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کسی کو ان میں سے معلوم ہو جائے کہ ایک ہڈی عمدہ گوشت کی یا دو کھر بکری کے اچھے ملیں گے تو ضرور آئیں عشاء کی نماز میں"۔ **[موطا امام مالک۔ جلد اول۔ کتاب صلوۃ الجماعۃ۔ حدیث ۲۶۳]**

فرض نماز کی جماعت سے رخصت کے شرعی عذر انتہائی محدود ہیں ؛؛؛؛

- ✓ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ **میں نابینا ہوں** اور میرا گھر دور ہے اور جو مجھ کو لے کر آتا ہے وہ میرا تابع نہیں ہے تو کیا ایسی صورت میں **میرے لئے گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے**؟"۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ "کیا تو اذان کی آواز سنتا ہے؟"۔ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

---

[9] گو اس مضمون میں جماعت والی نماز کا ذکر موجود ہے کیونکہ مردوں پر یہی فرض یا واجب ہے ؛ مگر خواتین کے لیے بھی ان کی فرض اور نفل نمازوں کے لیے ؛ یہ تمام تفصیلات (بجز صف بندی کے) بعینہ معتبر ہیں۔

نے کہا"ہاں (میں اذان کی آواز سنتا ہوں)"۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا"تب میں تیرے لئے کوئی گنجائش نہیں پاتا"۔ **[سنن ابوداؤد۔ جلد اول۔ نماز کا بیان۔ حدیث ۵۴۹]**

فرض نماز کی جماعت انفرادی نماز پر افضلیت رکھتی ہے؛؛؛؛

- ✓ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پر ستائیس درجہ ثواب زیادہ ہے۔ **[صحیح بخاری۔ جلد اول۔ اذان کا بیان۔ حدیث ۶۲۲]**
- ✓ ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ **[صحیح بخاری۔ جلد اول۔ اذان کا بیان۔ حدیث ۶۲۳]**

یہ باجماعت نماز کی افضلیت اس انفرادی فرض نماز پر ہے؛ جو کسی شرعی عذر کی وجہ سے انفرادی طور پر ادا کی جائے؛ بغیر شرعی عذر کے انفرادی فرض نماز تو صرف فرضیت کو ساقط کر دیتی ہے؛ مگر ترک جماعت کے باعث کبیرہ گناہ کی حامل ہوتی ہے؛ اور کسی عمل کا؛ گناہ کبیرہ کی موجودگی میں؛ کسی بھی درجہ میں اللہ کے فضل کا حامل ہونے کی کوئی شرعی اور عقلی دلیل نہیں ہے۔ درحقیقت یہ شرعی عذر کو معمول بنانے والوں کے لیے تنبیہ ہے کہ ان کی شرعی عذر کے ساتھ انفرادی فرض نماز؛ باجماعت نماز سے پچیس یا ستائیس درجہ ناقص ہے۔

فرض نماز سے پہلے کی سنت۔ صف بندی؛؛؛؛

- ✓ حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفیں (اس طرح) برابر (سیدھی) کیا کرتے تھے کہ گویا تیر بھی ان صفوں سے سیدھا کیا جاسکتا تھا یہاں تک کہ ہم بھی آپ ﷺ سے (صفوں کی برابر کرنے کی اہمیت) سمجھ گئے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ (مکان سے نکل کر) تشریف لائے اور (نماز کے لئے) کھڑے ہوگئے اور تکبیر (تحریمہ) کہنے ہی کو تھے کہ ایک آدمی کا سینہ صف سے کچھ نکلا ہوا ہے آپ ﷺ نے دیکھ لیا چنانچہ (یہ دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں سیدھی کر دو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا"۔ **[مشکوۃ شریف۔ جلد اول۔ نماز کا بیان۔ حدیث ۱۰۵۲]**

یہ سنت تو تقریباً متروک ہوچکی ہے؛ ابھی بھی چند آئمہ حضرات اقامت نماز کے بعد قولی طور پر کبھی کبھار سنت والے الفاظ تو استعمال کرتے ہیں؛ مگر عملی طور پر کوئی بھی صف بندی کا رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق اہتمام نہیں فرماتا (الا ما شاءاللہ)۔ اگر ہمارے آئمہ حضرات نے اس سنت کو قولی اور عملی طور پر زندہ

رکھا ہوتا؛ تو کیسے ممکن تھا کہ یہی آئمہ حضرات ماضی قریب میں لوگوں کو صفیں توڑنے کا حکم دے رہے ہوتے۔

اور آج اسی وجہ سے مقتدی حضرات میں اس سنت کی کوئی اہمیت نہیں ہے؛ وہ محض صف میں کھڑے ہو جانے کو ہی صف بندی قرار دیتے ہیں؛ چاہے ان کے پاؤں کی ایڑیاں آگے پیچھے ہوں؛ یا کندھے جدا ہوں؛ یا پچھلی صف میں بغیر عذر کے اکیلے کھڑے ہوں؛ یا صف خود آگے بڑھ کر مکمل کرنے کے بجائے لوگوں کا انتظار کرتے کرتے تکبیر تحریمہ ضائع کر دیں؛ یا اسی حالت میں اپنی نماز شروع کر دیں اور بعد میں آنے والے لوگ صف مکمل کرتے رہیں؛ یا حالت نماز میں عمل قصیر کے ذریعے صفوں کے خلا کو پر نہ فرمائیں؛ اور اس سنت پر آخری تیشہ مساجد میں کرسی پر نماز کی بدعت نے چلایا ہے۔ اور اب ہم مقتدیوں کو اپنی ناقص صف بندی کے باعث؛ نہ اپنے دلوں کے ٹیڑھے پن کی کوئی فکر اور نہ آپس میں اختلاف کی کوئی پروا۔ ہم دلوں میں اپنے بھائیوں کے لیے بغض لے کر آتے اور اس میں اضافہ کے ساتھ جاتے ہیں۔

فرض نماز کی جماعت میں مفصلات کی قرات سنت ہے؛؛؛؛

- ✓ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ "میں نے کسی کی اقتداء میں نماز ادا نہیں کی جو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھتا ہو لیکن فلاں شخص البتہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے زیادہ مشابہ ہے"۔ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ "وہ نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں کو لمبی پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں ہلکی پڑھتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہلکا کرتے تھے نماز عصر کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب میں مفصل کی چھوٹی سورت پڑھتے تھے اور نماز عشاء میں مفصل کی متوسط سورت تلاوت فرماتے تھے اور نماز فجر میں مفصل کی طویل سورت تلاوت فرماتے"۔ **[سنن نسائی۔ جلد اول۔ نماز شروع کرنے سے متعلق احادیث۔ حدیث ۹۸۷]**
- ✓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکتوب بنام ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جس میں آپ نے ان کو مغرب کی نماز میں قصار مفصل؛ عشاء اور ظہر میں اوساط مفصل اور فجر میں طوال مفصل پڑھنے کا مشورہ دیا۔ **(جامع ترمذی میں موجود مختلف روایات سے اس مکتوب کے حوالے سے اخذ شدہ)**
- ✓ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کہ مفصل سورتوں میں سے **کوئی سورت چھوٹی یا بڑی** ایسی نہیں ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرض نمازوں کی امامت کے دوران **پڑھتے ہوئے نہ سنا ہو**۔ **[سنن ابوداؤد۔ جلد اول۔ نماز کا بیان۔ حدیث ۸۱۱]**
- ✓ حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا "کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم **ایک رکعت میں ایک سورت** پڑھتے تھے؟"۔ فرمایا "ہاں!!! مفصلات میں سے"۔ پھر میں نے پوچھا کہ

"کیا آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟" فرمایا "ہاں!!! جب لوگوں نے آپ ﷺ کو بوڑھا کر دیا"۔ **[سنن ابوداؤد۔ جلد اول۔ نماز کا بیان۔ حدیث ۹۵۵]**

- ✓ **ابو ہریرہ** رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ **جمعہ کے دن فجر کی نماز** میں «الم تنزيل» اور «هل أتى على الإنسان» پڑھا کرتے تھے۔ **[صحیح بخاری۔ جلد اول۔ جمعہ کا بیان۔ حدیث ۸۵۷]**

- ✓ حضرت **نعمان بن بشیر** رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ **عیدین اور جمعہ کی نمازوں** میں سورۃ (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ) پڑھتے تھے اور جب عید اور جمعہ ایک ہی دن اکٹھی ہو جاتیں تو پھر ان **دونوں نمازوں** میں بھی یہی سورتیں پڑھتے تھے۔ **[صحیح مسلم۔ جلد اول۔ جمعہ کا بیان۔ حدیث ۲۰۲۲]**

- ✓ **جمعہ کے دن فجر** کی نماز کی پہلی رکعت میں سورۃ الم سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۃ دہر پڑھنا مسنون اور مستحب ہے، اسی طرح **جمعہ کی نماز** میں پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ غاشیہ، یا پہلی میں سورۃ جمعہ اور دوسری میں سورۃ منافقون، یا پہلی میں سورۃ جمعہ اور دوسری میں سورۃ غاشیہ تلاوت کرنا مسنون ہے۔ (فتویٰ بنوری ٹاؤن)

- ✓ **قرآن کا حکم**؛۔۔۔ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا **[سورۃ المزمل؛ ۴]**۔۔۔ اور **قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر** پڑھا کرو۔

- ✓ رسول اللہ ﷺ کی سنت؛ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آپ ﷺ نے سورت البقرہ شروع فرما دی۔۔۔ پھر آپ ﷺ نے سورت نساء شروع فرما دی پوری سورت پڑھی پھر آپ ﷺ نے سورت آل عمران شروع فرما دی اس کو آپ ﷺ نے **ترتیل اور خوبی کے ساتھ پڑھا**؛ جب آپ ﷺ اس آیت سے گزرتے کہ جس میں تسبیح ہوتی تو آپ ﷺ "سُبْحَانَ اللهِ" کہتے اور جب آپ ﷺ کسی ایسے سوال سے گزرتے تو آپ ﷺ سوال فرماتے اور جب آپ ﷺ تعوذ والی آیت پر سے گزرتے تو آپ ﷺ پناہ مانگتے۔۔۔ **[صحیح مسلم۔ جلد اول۔ مسافروں کی نماز اور قصر کے احکام کا بیان۔ حدیث ۱۸۰۸]**

- ✓ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی تلاوت کے متعلق بیان فرمایا کہ "آپ ﷺ **ایک ایک حرف کو واضح کر کے** پڑھا کرتے تھے"۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ "آپ ﷺ **قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ** پڑھتے تھے جس سے بڑی دیر میں سورت ختم ہوتی تھی"۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی قراءت کا وصف پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ "**خوب مد کر کے** حضور ﷺ پڑھا کرتے تھے"۔ پھر "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھ کر سنائی جس میں لفظ "اللہ" پر، لفظ "رحمن" پر، لفظ "رحیم" پر مد کیا۔ ابن جریج میں ہے کہ **ہر ہر آیت پر آپ پورا وقف** فرمایا کرتے

تھے جیسے "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" پڑھ کر وقف کرتے۔"اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ" پڑھ کر وقف کرتے،"اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" پڑھ کر وقف کرتے،"مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ" پڑھ کر ٹھیرتے۔

ان تمام مندرجہ بالا احادیث سے مختلف نمازوں میں قرآن حکیم کی تلاوت کی مندرجہ ذیل سنت واضح ہوتی ہے۔

- ظہر کی نماز میں؛اوسط مفصل سورۃ البروج سے سورۃ البینۃ میں سے تلاوت قرآن۔
- مغرب کی نماز میں؛قصار مفصل سورۃ البینۃ سے سورۃ الناس میں سے تلاوت قرآن۔
- عشاء کی نماز میں؛اوسط مفصل سورۃ البروج سے سورۃ البینۃ میں سے تلاوت قرآن۔
- فجر کی نماز میں؛طوال مفصل سورۃ الحجرات سے سورۃ البروج میں سے تلاوت قرآن۔
- جمعہ کی دن فجر کی نماز میں؛پہلی رکعت میں سورۃ السجدۃ اور دوسری رکعت میں سورۃ الانسان کی تلاوت۔
- جمعہ کی نماز میں؛پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ غاشیہ؛یا پہلی میں سورۃ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۃ منافقون؛یا پہلی رکعت میں سورۃ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۃ غاشیہ کی تلاوت۔
- عیدین کی نماز میں؛پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ غاشیہ کی تلاوت۔
- باری باری تمام مفصل سورتوں کی تلاوت سنت ہے؛بشمول آیت سجدہ والی سورتیں بھی۔ مفصل سورتوں میں صرف چند کو مختص کر لینا خلاف سنت ہے۔
- ہر رکعت میں مکمل مفصل سورت تلاوت کرنا ہی سنت رسول ﷺ ہے اور ان کو دو رکعتوں میں تقسیم کرنا یا ان کی صرف چند آیات کی تلاوت خلاف سنت ہے۔
- تلاوت قرآن میں ترتیل کا اہتمام ہی واحد حکم قرآن اور سنت رسول ﷺ ہے۔ اور یہ ترتیل کی سنت کا تعلق صرف باجماعت نماز کی جہری رکعات سے نہیں ہے؛جیسا کہ ہماری نمازوں میں جہری رکعتوں کی خوبصورتی اور سہری رکعتوں کی سرعت سے فرق واضح ہے۔ بلکہ رکعت جہری ہو یا سہری؛باجماعت فرض نماز کی ہو؛یا انفرادی نفل نماز کی؛یا باجماعت نفل نماز یعنی کسوف یا تراویح وغیرہ کی ہو؛ یا یہاں تک کہ رکوع و سجود کی تسبیحات ہوں؛یا تشہد اور نماز کے بعد کے ذکر و اذکار ہوں؛سب میں ترتیل ہی سنت رسول ﷺ ہے۔

مندرجہ بالا سنتوں کے علاوہ جس درجہ پر بھی ہماری موجودہ باجماعت نمازیں ادا ہو رہی ہیں؛ وہ جواز کے قبیل سے تو تعلق رکھ سکتی ہیں؛ مگر سنت رسول ﷺ پر نہیں کہلا سکتیں۔ اور جواز گو شرعی حجت رکھتا ہو مگر سنت کے خواص سے خالی ہونے کے باعث اس عبادت کے اجر میں کمی؛ اپنے اثر میں غیر یقینی اور لذت کے حصول سے یقینی طور پر محرومی کا باعث ہوتا ہے۔ خصوصاً جب بغیر کسی جائز عذر[10] کے جواز ہی کثیر الاستعمال ہو جائے اور سنت ترک ہو جائے؛ تو ایسے جواز کی تو اپنی شرعی حیثیت ہی مشکوک ہے اور زندگی سنت کے مطابق گزارنے کا نعرہ ہی بے معنی ہو جاتا ہے۔

فرض نماز کی جماعت میں رکوع و سجود میں تسبیحات کی سنت مقدار؛؛؛؛

- ✓ **سنت رسول ﷺ؛** حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کہ اس جوان کی نماز حضور ﷺ کی نماز کے ساتھ بہت ہی مشابہ ہے۔ حضرت ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے رکوع و سجود کی تسبیحات کے بارے میں اندازہ کیا کہ وہ تقریباً دس دفعہ پڑھتے تھے۔ **[معارف الحدیث ؛ حصہ سوم ؛ کتاب الصلوۃ ؛ صفحہ نمبر ۱۶۴]**
- ✓ **قابل قبول مقدار؛** ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو تین مرتبہ (سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ) پڑھے تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا اور یہ اس کی کم سے کم مقدار ہے اور جب سجدہ کرے تو تین مرتبہ (سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى) کہے اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ اس کی کم سے کم مقدار ہے۔ **[جامع ترمذی ۔ جلد اول ۔ نماز کا بیان ۔ حدیث ۲۵۲]**

تلاوت قرآن حکیم کی طرح تسبیحات کی بھی تزکیہ نفس میں انتہائی اہمیت ہے اور ہر تسبیح دل میں اللہ کی کبریائی؛ بزرگی اور پاکی کو راسخ کرتی ہے؛ خصوصاً حالت رکوع یا سجدہ میں ان تسبیحات کا اجر؛ اثر اور لذت غیر نماز سے کہیں زیادہ ہوتا ہے؛ مگر ہم جلدی میں اس سنت کو بھی ضائع کر دیتے ہیں۔

فرض نماز کی جماعت کے قومہ و جلسہ میں اعتدال سنت ہے؛؛؛؛

---

[10] وہ عذر جو کسی دینی و دنیاوی نفع کے حصول یا کسی دینی و دنیاوی ضرر سے بچاؤ پر مبنی ہو۔ سنت عمل چاہے اس کا تعلق عبادت سے ہو یا معاملات سے؛ اس کے ترک کی رخصت اسی جائز عذر کے تابع ہے؛ ورنہ اس کا ترک صغیرہ گناہ قرار پائے گا۔

- ۔۔۔۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس وقت تم نماز ادا کرنا چاہو تو تم ٹھیک طریقہ سے وضو کرو۔ پھر کھڑا ہو اور قبلہ رخ ہو کر تکبیر پڑھو۔ پھر قرآن کریم پڑھو اس کے بعد تم سکون اور اطمینان کے ساتھ رکوع کرو پھر تم سر اٹھاؤ اور **سکون کے ساتھ سیدھا کھڑے ہو جاؤ** پھر تم اطمینان سے سجدہ کرو۔ جس وقت تم اس طریقہ سے کر لو گے تو تم (واقعی صحیح طریقہ سے) نماز ادا کر لو گے اور تم اس میں جس قدر کمی کرو گے تو تم در حقیقت نماز میں کوتاہی کے مرتکب ہو گے۔ **[سنن نسائی ۔ جلد اول ۔ نماز شروع کرنے سے متعلق احادیث ۔ حدیث ۱۰۵۸]**
- انس رضی اللہ عنہ ہمارے سامنے نبی ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کرتے تھے؛ تو وہ نماز پڑھ کر بتاتے تھے پس جس وقت وہ **اپنا سر رکوع سے اٹھاتے** تو اتنے کھڑے رہتے کہ ہم کہتے کہ یقیناً یہ (سجدے میں جانا) بھول گئے۔ **[صحیح بخاری ۔ جلد اول ۔ اذان کا بیان ۔ حدیث ۷۷۲]**
- انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اس بات میں کمی نہ کروں گا، کہ تمہیں ویسی ہی نماز پڑھاؤں جیسی کہ میں نے نبی ﷺ کو پڑھاتے دیکھا ہے۔ ثابت کہتے ہیں کہ "انس بن مالک رضی اللہ عنہ ایک بات ایسی کرتے تھے کہ میں نے تم لوگوں کو وہ عمل کرتے نہیں دیکھا؛ وہ جب **اپنا سر رکوع سے اٹھاتے** تو اتنا کھڑا رہتے کہ کہنے والا کہتا کہ وہ (سجدہ کرنا) بھول گئے، اور **دونوں سجدوں کے درمیان** اتنی دیر تک بیٹھے رہتے تھے کہ دیکھنے والا سمجھتا، کہ وہ دوسرا سجدہ کرنا بھول گئے۔ **[صحیح بخاری ۔ جلد اول ۔ اذان کا بیان ۔ حدیث ۷۹۳]**

قومہ اور جلسہ میں ایک تسبیح کی میعاد جواز کے قبیل سے ہے؛ سنت رسول ﷺ وہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے یعنی قومہ اور جلسہ میں سنت میعاد رکوع اور سجدہ کے میعاد کے برابر ہے۔

فرض نماز کے بعد کی سنت ۔ دعا یا ذکر؛؛؛؛؛

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے "فیض الباری" میں اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ فرائض کے بعد موجودہ ہیبت کے مطابق اجتماعی دعا کرنا سنت مستمرہ نہیں ہے۔ مزید شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرض نماز کے بعد دعاؤں اور اذکار کے متعلق مفصل کلام اور مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کے بارے میں آراپیش خدمت ہے؛

حضرت شاہ ولی اللہ نے "حجتہ اللہ البالغہ" میں پہلے اماں عائشہ سے مروی رسول اللہ ﷺ کے فرض نماز کے بعد کے معمول کو ایک حدیث میں بیان فرمایا؛

✓ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ سلام پھیرنے کے بعد نہیں بیٹھتے تھے؛ مگر اتنی مقدار میں کہ جس میں درج ذیل تسبیح کہتے تھے (اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ) [صحیح مسلم۔ جلد اول۔ مساجد اور نماز پڑھنے کی جگہوں کا بیان۔ حدیث ۱۳۳۰]

اور پھر اس حدیث کے حوالے سے فرض نماز کے سلام پھیرنے کے بعد کئی ماثورہ دعاؤں واذکار کا حوالہ دینے کے بعد فرماتے ہیں؛

بہتر یہ ہے کہ یہ **ماثورہ دعاؤں اور اذکار ادائے فریضہ کے بعد رواتب (جن کو عام طور پر سنت مؤکدہ کہتے ہیں) سے پہلے پڑھے جائیں**۔ کیونکہ بعض اذکار کے متعلق اس کی تصریح منقول ہے۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا ہے کہ "جو شخص نماز مغرب اور نماز فجر کے بعد اپنی جگہ بدلنے سے پیشتر دس بار کہے کہ لا إله إلا الله وحده لا شريك له اس کو اتنا اتنا اجر و ثواب ملے گا"۔ ایک صحابی ؓ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ سلام پھیر لیتے تھے تو با آواز بلند یہ کہتے لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك و له الحمد الخ۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں: "مجھ کو آنحضرت ﷺ کی نماز ختم کرنے کا اس طرح علم ہوتا تھا کہ بلند آواز سے تکبیر کہی جاتی تھی"۔

اسی طرح **بعض روایات میں صریحاً آیا ہے کہ ان دعاؤں واذکار کو ہر نماز کے پیچھے پڑھا جائے**۔ ظاہراً اس کے یہی معنی ہیں کہ نماز اور ان دعاؤں واذکار کے درمیان فصل واقعہ نہ ہو اور یہ جو بی بی عائشہ ؓ نے کہا ہے کہ "نماز ختم کر لینے کے بعد آپ ﷺ صرف اس قدر بیٹھتے تھے کہ یہ الفاظ کہہ سکیں اللهم أنت السلام تو اس کی کئی ایک توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ من جملہ ان کے یہ کہ اسی وضع پر نہیں بیٹھتے تھے جس طرح کے آدمی نماز کے اندر بیٹھتا ہے بلکہ دائیں یا بائیں طرف منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ یا یہ کہ قبلہ رخ بیٹھے رہنے کی بجائے قوم کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے اور پھر اذکار بعد الصلوٰۃ میں مشغول ہوتے تا کہ یہ خیال کسی کے دل میں نہ گزرے کہ یہ اذکار بھی نماز کا جزو لازم ہے۔ من جملہ ان کے یہ کہ بعض اوقات حضرت ﷺ سوائے ان چند الفاظ اللهم أنت سلام الخ کہ دیگر تمام اذکار کو چھوڑ دیتے تھے جس سے یہ تعلیم دینا مقصود تھا کہ ان اذکار کا پڑھنا فرض واجب نہیں۔"

اور مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ "معارف الحدیث" میں فرماتے ہیں کہ

سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں ان سے یہ تو معلوم ہو چکا کہ نماز کے خاتمہ پر یعنی سلام کے بعد ذکر و دعا رسول اللہ ﷺ سے عملاً بھی ثابت ہے اور تعلیماً بھی، اور اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن یہ جو رواج ہے کہ سلام پھیرنے کہ بعد دعا میں بھی مقتدی نماز ہی کی طرح امام کے پابند رہتے ہیں۔ **یہ بالکل بے اصل ہے بلکہ قابل اصلاح ہے**۔

مختصر کلام کہ فرض نماز کے بعد اصل سنت رسول ﷺ انفرادی ذکر و اذکار اور دعائیں ہیں نہ کہ اجتماعی دعا۔ مگر ہمارے آئمہ نماز کی اس جواز والے عمل پر مسلسل استقامت کے باعث؛خود آئمہ حضرات علم رکھنے کے باوجود اور عوام کی اکثریت جہالت کے باعث ؛جواز والے عمل کو ہی سنت سمجھ کر اصل سنت کو ترک کر دیتی ہے۔ یاد رہے کہ ذکر و اذکار (بشمول درود پاک) کی ادائیگی کے لیے مطلوب ترتیل ہے؛نہ کہ ہماری زبان اور انگلیوں کے بیچ مقابلہ کی کیفیت۔

یہ کل تفصیل تھی اس نماز کی؛جس کی اختصار کے ساتھ ادائیگی کا حکم رسول اللہ ﷺ نے خود دیا؛اور ہم نے اس اختصار کے حکم کو؛جواز کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اس عظیم عبادت کی وہ تمام سنتیں ہی حذف کر دیں جن کا تعلق تزکیہ نفس سے تھا؛جبکہ ہمیں بخوبی علم ہے کہ فرض نماز اپنی برکات اور ثمرات کے اعتبار سے نفل نماز سے بھاری؛نتیجہ کے اعتبار سے سریع الاثر اور اللہ کی قربت کے حصول کے لیے اہم ترین وسیلہ ؛مگر پھر بھی بحیثیت مجموعی ہم اپنے اس نقصان پر نہ صرف راضی ہیں؛بلکہ اس کو عین سنت بھی قرار دیتے ہیں۔

اور مزید براں ہماری نفل نمازیں جن کو ہماری باجماعت نمازوں سے قیام ور کوع و سجود میں طویل ہونا چاہیے تھا؛اور جن کی طوالت کے باعث ہی رسول اللہ ﷺ نے فرض نمازوں کو ہلکا پڑھنے کا حکم دیا؛وہ آج اس مختصر باجماعت نماز سے بھی ہلکی ہیں۔ جبکہ احادیث میں صرف دو مختصر نفل نمازوں کا ذکر ہے؛تہجد کے آغاز کی دو رکعتیں اور فجر کی دو سنتیں (جو حدیث کے مطابق دنیا اور ما فیہا سے بہتر ہیں)۔ مگر ان نمازوں کے اختصار کا تعلق بھی سورۃ الفاتحہ کے بعد تلاوت قرآن پاک سے ہے؛ترتیل یا رکوع و سجود کی میعاد و تشہد کے اعتبار سے وہ کامل تھیں؛جبکہ اس کے مقابل ہم آج صرف اپنی فجر کی سنتوں کا موازنہ کریں؛تو افسوس ہوتا ہے۔

غرض کہ ہماری کل نماز کا محور محض فرض کی صورت میں ایک بوجھ کی ادائیگی کے سوا کچھ نہیں؛کیونکہ موجودہ حالت میں واضح ہے کہ؛ہمیں نہ تو اپنی نماز کے اخروی اجر کے اضافہ میں کوئی دلچسپی؛نہ ہی اس کے دنیاوی اثر کی ہماری زندگی میں کوئی اہمیت ؛نہ ہی دل میں اس کی لذت حاصل کرنے کی ہوس اور نہ ہی اس دین کے ستون پر دین کی بقیہ عمارت کو کھڑی کرنے کی کوئی خواہش۔ایسی نماز پر پچاس فیصد امت تو کیا اور اگر سو فیصد امت بھی آ گئی تو اس امت کے زوال میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔

جب کہ سو فیصد امت کے بجائے اگر صرف بارہ ہزار افراد تزکیہ نفس کی نیت سے؛سنت والی انفرادی اور

اجتماعی نمازوں کی ادائیگی؛ دین کی بقیہ عمارت کو کھڑا کرنے کی سعی کے ساتھ؛ شروع کر دیں تو اس امت کے دن پلٹ جائیں گے۔

- ✓ حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بہترین رفیق چار ہیں۔ اور اچھا سریہ (چھوٹا دستہ) چار سو آدمیوں کا ہے اور بہترین لشکر چار ہزار کا اور **بارہ ہزار افراد** پر مشتمل لشکر تعداد کی کمی کی بناء پر **مغلوب نہیں ہو سکتا**۔ [سنن ابوداؤد۔ جلد دوم۔ جہاد کا بیان۔ حدیث ۸۴۶]

نماز اور جہاد فی سبیل اللہ[11] میں ربط؛؛؛؛؛

اللہ سبحان و تعالٰی کے نزدیک تزکیہ نفس میں کامیابیوں کے دعوے؛ تقویٰ کی سندیں؛ اہل حق ہونے کا زعم اور سلوک کے راستوں کی مسافری وغیرہ؛ سب کتابی اور اشتہاری نوعیت کا ہے [۔۔۔فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى [سورۃ النجم؛ ۳۲] ۔۔۔پس اپنے آپ کو **پاک نہ سمجھو** وہ پرہیزگار کو خوب جانتا ہے۔]؛ جب تک اپنے ایمان کو جہاد فی سبیل اللہ کے میدانوں میں نہ آزمایا جائے؛

- ✓ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ [سورۃ محمد؛ ۳۱] اور ہم **تمہیں آزمائیں** گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے **جہاد کرنے والوں** کو اور **صبر کرنے والوں** کو معلوم کر لیں اور تمہارے حالات کو جانچ لیں۔
- ✓ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ [سورۃ آل عمران؛ ۱۴۲] کیا تم یہ **خیال کرتے** ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور (حالانکہ) ابھی تک اللہ نے نہیں ظاہر کیا ان لوگوں کو جو تم میں سے **جہاد کرنے والے** ہیں اور ابھی **صبر کرنے والوں** کو بھی ظاہر نہیں کیا۔

ہمارا تزکیہ نفس کامل ہی نہیں اور ہماری ایمانی محبت تمام محبتوں پر حاوی ہی نہیں؛ جب تک ہم حزب اللہ میں شامل ہو کر حزب شیطان سے نبرد آزما نہ ہو جائیں۔

- ✓ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا [سورۃ النساء؛ ۷۶] جو **ایمان والے** ہیں

---

[11] جہاد فی سبیل اللہ کی تفصیل کے لیے کتاب "قوا انفسکم و اھلیکم نارا" میں مضمون "جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت" اور "جہاد فی سبیل اللہ پر عمومی اعتراضات کی حقیقت" کا مطالعہ فرمائیں۔

وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں سو تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو، بے شک شیطان کا فریب کمزور ہے۔

ہمارا تزکیہ نفس کامل ہی نہیں اور ہمارا ایمانی خوف تمام خوف پر حاوی ہی نہیں؛ جب تک ہم شیطان کے اولیا سے خوف زدہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے دور ہیں۔

✓ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ **[سورۃ آل عمران؛ ۱۷۵]** سو یہ شیطان ہے کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، پس تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو۔

نماز اور صبر دونوں ہی ایک مؤمن مجاہد کا زاد راہ ہیں [يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ **[سورۃ البقرۃ؛ ۱۵۳]** اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔]۔
نماز اپنے رب سے تزکیہ نفس کے خصوصی تعلق کے باعث ایک مجاہد کو وہ ایمانی قوت فراہم کرتی ہے؛ جو اس پر اللہ کے خوف کو حاوی کرتے ہوئے؛ جہاد فی سبیل کے راستے میں آنے والی ہر مشکل کے خوف سے آزاد اور اللہ سے ملاقات کی محبت کو؛ اس پر حاوی کرتے ہوئے اور تمام دیگر محبتوں سے محفوظ رکھتے ہوئے؛ آگے بڑھنے کا حوصلہ فراہم کرتی ہے۔ اور صبر اس کو جہاد فی سبیل اللہ کے پر پیچ راستوں پر استقامت مہیا کرتا ہوئے؛ اس کے واپسی کے راستہ مسدود کرتا ہے۔

اس باطنی ربط کے علاوہ؛ دین کے ستون "نماز" اور دین کی چوٹی "جہاد فی سبیل اللہ" میں کئی ظاہری مماثلتیں بھی موجود ہیں؛ جو ان کے باہمی ربط کو مزید واضح کرتیں ہیں؛

أ. قرآنِ حکیم میں نماز [تقریباً ۷۰۰ آیات میں] اور جہاد فی سبیل اللہ [تقریباً ۵۵۰ آیات میں] کا ذکر، باقی تمام دینی اعمال کے ذکر سے بہت زیادہ ہے۔
ب. نماز اور جہاد فی سبیل اللہ دونوں ضروریاتِ دین میں سے ہیں۔ ان کی فرضیت کا علم اور اقرار لازم اور ان کی فرضیت سے لاعلمی یا انکار کفر ہے اور ان اعمال کو بلا عذر عملی طور پر ترک کرنے والا فاسق وفاجر ہے۔
ت. نماز اور جہاد فی سبیل اللہ کے مرکزی امام کا حکمرانِ وقت ہونا لازم نہیں، اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے مدنی دور اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں یہ دونوں منصب حکمرانِ وقت کے پاس تھے۔
ث. نماز اور جہاد فی سبیل اللہ ہر فاسق اور فاجر امام کے پیچھے بھی قابلِ ادا ہے۔

ج. نماز اور جہاد فی سبیل اللہ کے فرض کی ادائیگی کے لیے مقتدی کا اور مجاہد کا اپنے امام کے عقائد کے ساتھ کلی ہم آہنگی شرط نہیں ہے اور نہ ہی اس پر ان کی تحقیق لازم ہے۔[اگر امام کفریہ بدعتی عقائد کا حامل ہو اور ان کا پرچار کرتا ہو تو ایسے امام کے پیچھے نہ نماز جائز ہے اور نہ ہی جہاد فی سبیل اللہ]

ح. نماز میں مقتدی اور جہاد فی سبیل اللہ میں مجاہد دونوں قرآن اور حدیث کے دائرہ میں رہتے ہوئے امام کی اتباع کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔

خ. نماز اور جہاد فی سبیل اللہ کے امام کے لیے اجرت جائز ہے۔

د. جس طرح قرآن اور حدیث کے مطابق منافقین کی واضح نشانیوں میں سے ایک نماز کی ادائیگی میں سستی بیان کی گئی ہے خصوصاً فجر اور عشاء کی نماز میں، اسی طرح قرآن اور احادیث میں جہاد فی سبیل اللہ میں سستی اور عملی دوری کو بھی منافقت کی واضح نشانی کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

ذ. نماز اور جہاد فی سبیل اللہ میں دونوں طرح کے فرض موجود ہیں، یعنی فرضِ عین اور فرضِ کفایہ۔

ر. صرف ان ہی دونوں عبادتوں میں صف بندی کا تصور ہے جو کہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے۔

ز. اور سب سے اہم ترین مماثلت کہ یہ دونوں عبادات **کُل وقتی** ہیں، نہ کہ **جُز وقتی**۔ اور اسی وجہ سے یہ دونوں انتہائی محرک عبادات ہیں؛ نماز میں جمود فرد کے زوال کی نشانی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں جمود امت کے زوال کی نشانی ہے۔

اس آخری مماثلت کے متعلق ہمارے تبلیغی بھائیوں کا اعتراض ہے کہ تبلیغ[12] بھی تو کل وقتی عبادت ہے اور اس کا جمود بھی معاشرہ کے زوال کی نشانی ہے؛ تو ان کے حضور مودبانہ گزارش ہے کہ اس امر سے اختلاف ممکن ہی نہیں ہے؛ تبلیغ رسول اللہ ﷺ کے فرائض منصبی میں سے تھی ([يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۔۔۔ [سورة المائده؛ ٦٧] اے رسول ﷺ! جو تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اترا ہے اسے پہنچا دے۔۔۔]) تو جز وقتی کیسے ہو سکتی ہے۔ پھر اللہ سبحان وتعالیٰ ہی نے ان کی اس تبلیغی ذمہ داری کا تعین بھی فرمایا ([يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿﴾ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا [سورة الاحزاب؛ ٤٥-٤٦] اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو بلاشبہ گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چراغ روشن بنایا ہے۔]) اس تبلیغ کا منہج بھی متعین فرمایا ([فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا [سورة

---

12 تبلیغ کی تفصیل کے لیے کتاب "قوا انفسکم واھلیکم نارا" میں مضمون "تبلیغ کی حقیقت" اور تبلیغی جماعت کی تفصیل کے لیے انفرادی مضمون "تبلیغی جماعت کی حقیقت" کا مطالعہ فرمائیں۔

الفرقان؛ ۵۲] تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان کفار کر کہنا نہ مانئے اور آپ ﷺ ان کے ساتھ جہاد کریں اس (قرآن) کے ذریعے سے بڑا جہاد])اس تبلیغ کے نتیجہ میں تیار ہونے والی جماعت کا نصب العین بھی اللہ سبحان و تعالیٰ ہی نے مقرر کیا([الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ [سورۃ الحج؛ ۴۱] وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت دے دیں تو نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کام کا حکم کریں اور برے کاموں سے روکیں، اور ہر کام کا انجام تو اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے۔])اور اس کے ہر کارکن کو اس نصب العین کے حصول کے لیے جسمانی و مالی تیاری کا حکم بھی قرآن میں ہی نازل فرمایا([وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ ۔۔۔ [سورۃ الانفال؛ ۶۰] ران سے لڑنے کے لیے جو کچھ قوت سے اور صحت مند گھوڑوں سے جمع کر سکو سو تیار رکھو۔۔۔])

اور جب یہ تبلیغی جماعت فکری اور عملی طور پر تیار ہو گئی اور دین کی تکمیل کا دور شروع ہوا؛ تو پھر اللہ سبحان و تعالیٰ ہی نے رسول اللہ ﷺ کی نئی تبلیغی ذمہ داری کا تعین فرمایا([هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ [سورۃ صف؛ ۹] وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے، اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔])اس کا نیا منہج بھی متعین فرمایا([قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ [سورۃ التوبۃ؛ ۲۹] ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اسے حرام جانتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور سچا دین قبول نہیں کرتے ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ عاجز ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔])اس تبلیغی جماعت کو نیا نصب العین بھی عطا فرمایا([وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ [سورۃ البقرۃ؛ ۱۹۳] اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے اور اللہ کا دین قائم ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر سختی جائز نہیں۔])اس کے ہر کارکن کی دنیاوی و اخروی کامیابی کو اس نئے نصب العین کے ساتھ منسلک بھی فرما دیا([يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ [سورۃ صف؛ ۱۰ - ۱۱] اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔])اور اس تبلیغ کے ثمرات بھی اپنے حبیب ﷺ اور امت کو دکھا دیئے([إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا [سورۃ النصر؛ ۱ - ۲] جب اللہ کی مدد اور فتح آچکی۔ اور آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیا۔])۔

یہ وہی اقدامی جہاد والی تبلیغ ہے جس کو صحابہ ؓ نے اختیار کی؛ تو آج ہم اور ہمارے تبلیغی بھائی مسلمان ہونے کی سعادت حاصل کر سکے اور آج جب امت نے اس طریقہ تبلیغ کو ترک کر دیا؛ تو چین؛ برما؛ ہندوستان اور افریقہ میں ہزاروں مسلمان باطل قوتوں کے سامنے سرنگوں ہو کر کفر کے اندھیروں کی طرف پلٹ رہے ہیں۔

میرے عزیز تبلیغی بھائیوں جہاد فی سبیل اللہ تبلیغ دین کی ضد نہیں بلکہ تبلیغ دین کی تکمیل ہے؛ اور جو شخص کسی ایسے عمل میں مصروف ہو جس عمل کی تکمیل کا نہ اس کا ارادہ ہو اور نہ ہی اس کی کوئی کوشش؛ تو ایسے شخص کو اس عمل کی نسبت دنیا و آخرت میں کیسے کامیابی نصیب ہو سکتی ہے۔

اعمال کی کمی جنت کے درجات میں کمی کا باعث ہے؛

مگر عقائد کی گمراہی جہنم کے عذاب کا باعث ہے۔

عقائد کی درستگی سے چاہے اعمال کی کمی دور نہ ہو سکے؛

مگر جہنم سے تو نجات مل جائے گی۔

جن مضامین کے حوالہ جات اس مضمون میں شامل ہیں ان کے مطالعہ کے لیے راقم کی کتاب "قوا انفسکم و اھلیکم نارا (ایڈیشن چہارم)" اور انفرادی مضامین مندرجہ ذیل مقامات پر موجود ہے۔

https://archive.org/details/@furqanuddin

https://ketabton.com/books?search=furqanuddin&lang=any&category=any